www.KitaboSunnat.com

تعلیم و تبلیغ، مسلم اقلیتوں، تارکین وطن اور اسلامی قانون کی تدوین کے مسائل پر اہم مباحث

اسلامی استحکام مخلصانہ سماجی خدمات اور خالص اسلامی تعلیمات سے ہی ممکن ہے

(بسلسلہ عالم اسلام کے ممتاز علمائے کرام کے ایک کنونشن کی کارروائی)

استاد علال فاسی لکھتے ہیں کہ جب مغرب میں فرانسیسی استعمار روبہ زوال تھا تو مبشرین نے اپنے طریقہ کار میں تبدیلی کی اور "آزادئ فکر اور بحث مباحثہ" کے مراکز قائم کیے۔ ان میں سے ایک مرکز، جس کو بڑی اہمیت اور شہرت حاصل ہوئی، وہ تھا جو رباط تومیلیلین (MONSTER de TOUMLILINE) کہلاتا تھا۔ پیرس، امسٹرڈم اور بون (جرمنی) میں انجمنیں قائم تھیں، جو مذہبی فریضہ کے طور پر اس رباط کو مالی وسائل فراہم کرتی تھیں۔ رفتہ رفتہ مسلمان، عیسائی، یہودی، کیمونسٹ، بے دین، ملحد سب اس مرکز میں جمع ہونے لگے اور کوئی موضوع ایسا نہ تھا جو ان کے دائرہ بحث سے خارج ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانیت کے رشتہ میں بندھے ہوئے سب کے سب "حقیقت" کی تلاش اور جستجو میں ہیں اور اس تلاش اور جستجو کی خاطر انہوں نے دین، اخلاق، قومی روایات کے تمام بندھن توڑ دیے ہیں۔ بس یہی اس مرکز کے قیام کا اصل مقصد تھا کہ مسلمان تعلیم یافتہ نوجوان اپنے دین، اخلاق اور قومی روایات کے باہر حقیقت کی تلاش میں لگ جائے، بلکہ دین، اخلاق اور قومی روایات کو حقیقت کی جستجو میں سنگ راہ سمجھنے لگے۔ ذرا خیال تو کیجئے کہ یہ حقیقت کے شیدائی اور آزادئ فکر کے علمبردار مغربی مجاہدین کی جنگ آزادی کا تماشا دیکھتے ہیں اور ان کی حمایت میں ایک کلمہ بول کر نہیں دیتے یہ بات بار بار دہرانے کے قابل ہے اور سبق لینے کی ہے کہ ایک طرف استعمار اور تبشیر اور دوسری طرف کیمونسٹ اور بائیں بازو کی ساری جماعتیں، ان میں سے کسی نے مغرب اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں کی جنگ آزادی کا قولاً فعلاً کسی طرح ساتھ نہیں دیا۔ یہ ناقابل انکار شہادت علال فاسی کی ہے جو مغرب کی جنگ آزادی کے قائدین میں سے ہیں۔

آخر ایسا کیوں؟ ویت نام اور الجزائر اور مغرب میں کونسا فرق ہے؟ امریکہ کے اڈے مغرب میں بھی تھے اور وہ بھی استعمار کی پشت پناہی کے لیے تھے۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ الجزائر اور مغرب کے مجاہد مسلمان تھے، اور ہیں اور اسلام دشمنی استعمار، تبشیر اور کیمونزم، فرانس، امریکہ اور روس سب کا مشترکہ مقصد ہے۔ آنا کتنا چیلوں کا نہایت مختصر اشتراکی گروہ، شاعر و افسانہ نویس اور نعروں پر جینے اور مرنے والے بے شوق اور بدذوق طالب علم ہیں جنہوں نے جامعہ کی لائبریری تک کے در و دیوار کو بے معنی اور انتہائی بدخط سیاہ اور سرخ نعروں سے داغدار بنا رکھا ہے، انگولا اور ویت نام پر تو تلملا اٹھتے ہیں۔ کیا ان میں سے کسی نے اس پہلو پر سنجیدگی سے غور کیا ہے؟ وسط ایشیا کے مسلمان اگر آزادی بھی نہیں کر سکتے تو یہ روس کی حکمت عملی ہے۔ لینن کا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سی تدبر اور حسن سلوک ہے! اجتماع میں کئی ایسی ممتاز علمی اور سیاسی شخصیتیں شریک تھیں جنہوں نے وسط ایشیا کے مسلمانوں کے احوال کا دیدۂ عبرت سے مشاہدہ کیا تھا۔ انہوں نے بتایا اور سب سے بڑھ کر الجزائر کے وزیرِ تعلیم نے بالکل غیر ڈپلومیسی انداز میں اس کی تصدیق کی کہ تاشقند اور بخارا کی مسجدوں میں بڈھوں ہی بڈھوں کا ایک انبوہ ہوتا ہے۔ نوجوان ایک دو صرف وہ ہوتے ہیں جنہیں روس کی حکومت باہر سے آنے والے مہمانوں کے ساتھ کر دیتی ہے یا یوں کہیے کہ پیچھے لگا دیتی ہے۔ یہ بڈھے مسلمان زائرین کو دیکھ کر زار و قطار روتے ہیں اور ایک لفظ نہیں بولتے۔ جب امام اور ترجمان سے پوچھا گیا کہ یہ کیوں رو رہے ہیں تو جواب ملا کہ "یہ خوشی کے آنسو ہیں" دکتور بیصار سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے جھنجھلا کر کہا: یہ خوشی سے نہیں رو رہے ہیں۔ اپنی بے بسی پر خاموش ماتم کر رہے ہیں۔ الجزائر کے وزیرِ تعلیم نے حکومت روس سے باقاعدہ احتجاج کیا کہ انہیں آزادی کے ساتھ ملنے جلنے اور بات کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ خیر اگر اسلام کے رشتہ سے کچھ بولنا رجعت پسندی ہے تو کیا چیکوسلواکیہ اور ہنگری کو محض اس لیے بھلایا جا سکتا ہے کہ وہاں لڑائی نے طول نہیں پکڑا اور ایک بھرپور وار میں کام تمام ہو گیا؟ آخر بنگلہ دیش کے سلسلہ میں روس کے کردار پر لب کشائی کا وقت کب آئے گا؟ کیا اس بات کا انتظار ہے کہ مغربی پاکستان بھی قومیتوں (نیشنلیٹیز) میں بٹ جائے تب دل کی بھڑاس نکالی جائے؟ الجزائر کے اجتماع میں تو روس کو صاف صاف موردِ الزام قرار دیا گیا۔ استاد محمد عبداللہ عنان کا ذکر پہلے آ چکا ہے استاد علال فاسی نے بھی بے تکلف برطرف دن کو دن اور رات کو رات کہا۔ ہماری ڈپلومیسی کا شاہکار ابھی سب کو یاد ہوگا کہ جب روس اور ہندوستان کا معاہدہ ہوا تو وزارتِ خارجہ نے اعلان کیا کہ ہمارے نمائندے نے روسی لیڈروں سے بات چیت کی ہے اور ہم مطمئن ہیں کہ اس معاہدہ سے پاکستان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند۔

ہاں تو رباط تیوبلیلین نے ایک محترم مقام پیدا کر لیا یہاں تک کہ مغرب کی آزاد حکومت نے اسے مالی امداد سے نوازا۔ ممتاز اہل وطن اور حکومت کے مشیر اس کے جلسوں میں شرکت کو باعث عزت تصور کرنے لگے۔ استاد علال فاسی کو بھی باصرار دعوت نامے آئے لیکن انہوں نے برابر انکار کیا۔ کچھ عرصہ بعد امریکہ سے ایک صاحب وارد ہوئے انہوں نے "رباط تیوبلیلین" کو اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کا موضوع بنایا تھا۔ جب وہ علال فاسی سے ملے اور ان کی رائے دریافت کی تو علال فاسی لکھتے ہیں کہ مجھے غصہ آ گیا اور میں نے کہا: ہمارے ہاں دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی (جامعۃ القرویین۔ فاس) موجود ہے اسے چھوڑ کر آپ نے تیوبلیلین کو اپنی توجہ کا مرکز اور بحث کا موضوع بنایا ہے۔ یہ علم کے پردے میں اسلام دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کے بعد حکومتِ مغرب کی بھی آنکھیں کھلیں اور اس نے سخت اقدام کر کے تیوبلیلین کو بند

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کردیا اور سرزمینِ مغرب سے اس کا وجود ختم کردیا۔

استاد علال فاسی لکھتے ہیں کہ ایک تیوبلیلین بند ہوگیا تو کیا ہوا اور بہت سے ادارے مختلف روپ دھارے اب بھی کام کر رہے ہیں مجھے یاد آیا کہ ہمارے یہاں پاکستان میں اسی قسم کا ادارہ کانگریس فار کلچرل فریڈم (Congress for Cultural Freedom) قائم تھی۔ یونیورسٹیوں کے سربراہ اور اساتذہ اس سے وابستہ تھے۔ اس کے مالی وسائل کی بابت شک کرنے کے وجوہ موجود تھے لیکن کوئی بولے تو سننے والا کوئی نہیں اور بولنے والے کا منہ بند کرنے کے ہزار طریقے۔ بالآخر امریکہ سے تصدیق ہوئی کہ وہ سی آئی اے کا ذیلی ادارہ تھا تب اس کا کاروبار بند ہوا جو اس ادارے میں ملوث تھے وہ آج بھی مکرم و محترم ہیں اور بدستور دوسروں کو اسلام اور حبِ وطن کا درس دیتے ہیں۔ ورلڈ یونیورسٹی سروس کی بابت جب شک وشبہ کا اظہار کیا گیا تو اسلام اور نظریۂ پاکستان کے محافظوں نے اسے بَری کردیا اور بیرونِ ملک اس کی مجلسوں میں شرکت کو اپنے لیے جائز کرلیا۔

بحث کے دوران اس پر سب کا اتفاق تھا کہ موجودہ وقت میں اسکول ہسپتال اور ثقافتی اور معاشرتی بہبود کے ادارے جو مشنریوں نے اسلامی ممالک میں قائم کر رکھے ہیں۔ اسلام دشمنی کا سب سے موثر حربہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ حکومتیں ایسی سرگرمیوں کو ممنوع قرار دیتے میں حق بجانب ہوں گی اور اگر وہ ایسا نہیں کرتیں تو اپنے فرض میں کوتاہی کرتی ہیں لیکن یہ محض منفی رویہ ہوگا جو پست ہمتی کی دلیل ہے۔ ضرورت ایجابی عمل ہے اور وہ یہ کہ ہم خود مشنری اداروں کی طرح کے تعلیمی، طبی اور ثقافتی ادارے قائم کریں۔ استعمار کے دور میں یہ ادارے دنیوی مناصب اور مال وجاہ تک چڑھنے کا زینہ تھے۔ اگر یہ صورتِ حال اب بھی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ غلامانہ ذہنیت باقی ہے۔ کم از کم اتنا ضرور ہے کہ مسلم ممالک کو اب خطرے کا احساس ہوگیا ہے (اس خطرے کا احساس غیر مسلم ممالک کو بھی ہے جیسے برما اور سیلون جنہوں نے مشنری اسکولوں کو قومی تحویل میں لے لیا ہے اور فورڈ فاؤنڈیشن، ایشیا فاؤنڈیشن جیسے اداروں کو بھی ملک بدر کردیا ہے) بعض مسلم ممالک نے مشنری اداروں پر پابندیاں عائد کی ہیں۔ میں نے اس ضمن میں بتایا کہ حکومتِ پاکستان نے مشنری اسکولوں کو پابند کیا ہے کہ وہ اسلامیات کی تعلیم کا اہتمام کریں۔ یہ سب کچھ خوش آئند تو ہے لیکن اس مرض کا علاج نہیں اصل مرض وہ ہے جس کی نشاندہی استاد علال فاسی نے کی وہ لکھتے ہیں کہ یورپ کی استعماری طاقتوں نے، بالخصوص انگریزوں اور فرانسیسیوں نے مسلم ممالک میں جو نظامِ تعلیم رائج کیا تھا، وہ بدستور آج تک رائج ہے۔ اس میں کوئی بنیادی تبدیلی کہیں بھی نہیں ہوئی۔ اس نظامِ تعلیم کی بدولت دین تو بالکل ہی ہاتھ سے گیا۔ دنیا بھی حاصل نہ ہوئی۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں مسلمانوں کا آج بھی کوئی مقام نہیں جب کہ ایشیا کی دوسری قومیں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاپان اور چین دیکھتے ہی دیکھتے کہیں سے کہیں پہنچ گئیں۔ اسلامی علوم برابر کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ نظامِ تعلیم کی تشکیلِ نو کے سلسلہ میں اربابِ حکومت اسلامی علوم کو مرکزیت اور ان کے شایانِ شان اہمیت دینے کو تیار نہیں، قدیم اور جدید کے امتزاج کی جو کوششیں کی جاتی ہیں ان کی زد اسلامی علوم پر پڑتی ہے برائے نام اسلام کو نصابِ تعلیم میں شامل کرنا اسلامی علوم کو فنا کرنے کا آسان طریقہ ہے اور اس سے وہ مقصد پورا ہوتا ہے جس میں شارل دوفوکو (اور میکالے) ناکام رہے۔ انہوں نے اسلامی علوم کو نصاب سے خارج کر کے انہیں فنا کرنا چاہا لیکن وہ سرکاری اسکولوں سے باہر زندہ و باقی رہے۔ اب جو کوششیں جاری ہیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ قدیم و جدید کے امتزاج کے نام پر اسلامی مدارس کا وجود بے معنی ہو جائے اور اسلامی علوم نہ یہاں کے رہ جائیں نہ وہاں کے، کہیں کے بھی نہ رہیں۔ اسلامی علوم کی تجدید کے نام پر جو کچھ کیا جاتا ہے اس سے بھی اسلام کی صورت مسخ ہوتی ہے یہ تبشیر کے وہ مقاصد ہیں جو ہم خود اپنے ہاتھوں پورا کرتے ہیں۔

دکتور دمصفی ابو مغلی نے اس نقطہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ سرکاری مدارس میں طلبہ کو قرآن کی آیات اور احادیث رٹا دی جاتی ہیں اور قرآن و حدیث کے علم سے محروم رہتے ہیں۔ یہ حال عرب ممالک کا ہے دوسروں کے سامنے کہتے شرم آتی ہے لیکن اپنوں کو تو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایوب کے دور میں جن ماہرینِ تعلیم کو بلا استحقاق اسلامی ریسرچ اور اسلامی تعلیم کا پرمٹ دیا گیا تھا انہوں نے عربی سے معرّیٰ ایسی اسلامیات ایجاد کی اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں رائج کی کہ ایم۔ اے کے درجہ میں بھی قرآن کی آیات اور احادیث نہیں بلکہ ان کا اردو ترجمہ رٹایا جاتا ہے۔ اگر سزا و جزا حق ہے تو اسلامی علوم کو رسوا کرنے اور اسلام کو بازیچۂ اطفال بنانے کا یہ جرم یقیناً ناقابلِ معافی ہے۔

اس بحث کے ضمن میں استاد عثمان الکعاک نے ایک بڑی دلچسپ اور مفید بات بتائی جو قابلِ ذکر ہے۔ مسلمان سو ڈیڑھ سو برس سے مغربی نظامِ تعلیم اپنائے ہوئے ہیں۔ سائنس کی تعلیم پر خاص توجہ ہے، اور بے حد و حساب خرچ ہو رہا ہے پھر بھی مسلمانوں کا سب سے بڑا سائنسدان وہ ہے جو مغرب کا ادنیٰ شاگرد ہو۔ سونے پر سہاگہ بعض نام نہاد علماء کے ایسے فتوے ہیں جن سے دشمنانِ اسلام کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے، کہ اسلام سائنس سے ڈرتا ہے اور دور بھاگتا ہے۔ استاد عثمان الکعاک نے کہا کہ جب عباس بن فرناس نے ۲۷۴ھ میں پہلی بار گھڑی ایجاد کی تو اس کی غایت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ نماز کے اوقات معلوم کرنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ جب اس نے گھڑی قرطبہ کے اموی خلیفہ محمد بن عبدالرحمٰن کی خدمت میں پیش کی تو اس پر یہ دو شعر بھی لکھے تھے

الا انني للدين خير اداة ۔۔۔ اذا غاب عنكم وقت كل صلاة

ولم تر شمس بالنهار ولم تنر ۔۔۔ كواكب ليل حالك الظلمات

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گویا علمی لسانِ حال سے کہتی ہے: دیکھو میں دین کے کام کا بہترین آلہ ہوں۔ جب تمہیں نماز کے اوقات کا پتہ چلے، نہ تو دن کو سورج دکھائی دے اور نہ اندھیری سیاہ رات میں ستارے روشن ہوں۔ یہ وہی عباس بن فرناس ہے جو پہلی مرتبہ پرندوں کی نقل کرتا ہوا ہوا میں اڑا اور جس نے مصنوعی طور پر سیٹلائٹ ایجاد کیا۔

الجزائر کے وزیرِ تعلیم کا کہنا تھا کہ عباس بن فرناس کے یہاں جو درج کا وزن اتنی اہمیت کو برقرار رکھتے ہوئے علم الفلک اور فلکیات کے جدید آلات کو دین کے کام کے آلات سمجھنا چاہیے اور اگر مطلع ابر آلود ہو یا کسی وجہ سے چاند دیکھنا ممکن نہ ہو تو حساب کی رو سے افق پر چاند موجود ہو تو اسے تسلیم کر لینا چاہیے اور آنکھ سے چاند دیکھنا ممکن نہ ہو اور حساب کی رو سے افق پر چاند موجود ہو تو اسے تسلیم کر لینا چاہیے اور آنکھ سے چاند دیکھنے پر اصرار نہ ہونا چاہیے۔ کچھ عرصہ قبل کویت میں مسلم وزرائے اوقاف کی جو کانفرنس ہوئی تھی اس میں بھی فیصلہ کیا گیا کہ چاند کی گردش کے حساب کو ماہرین فلکیات پر چھوڑ دیا جائے اور وہ علمی وثوق کے ساتھ جو تقویم (کیلنڈر) تیار کریں اس پر عمل کیا جائے۔ کوئی تعجب نہ ہوگا اگر مستقبل قریب میں یہ فیصلہ نافذ ہو جائے۔ مجھے اپنے بچپن کی بات یاد ہے کہ بھوپال میں نواب حمید اللہ خان عیدگاہ میں لاؤڈ سپیکر نصب کرانا چاہتے تھے اور قاضی شہر کی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح یہ بلا ٹل جائے۔ آج یہ حال ہے کہ آئے دن لاؤڈ سپیکر پر جو بدعتیں سنائی جاتی ہیں ان سے پورے محلے کے طالب علموں کے مطالعہ میں اور مریضوں کے آرام میں خلل پڑتا ہے۔

اس بحث کے دوسرے روز الجزائر کے عربی روزنامہ نے ایک لطیفہ لکھا۔ بعد میں تصدیق ہوئی کہ دراصل وہ ایک واقعہ ہے جو شاہ فیصل کو پیش آیا۔ چند بدو قبائلی شیخ اپنی کیڈلک کاروں میں بیٹھ کر شاہ فیصل کے محل پہنچے۔ اندر پہنچے تو شاہِ فیصل ایک ٹیلیویژن پروگرام دیکھ رہے تھے۔ شیخ خالص بدوی انداز میں معترض ہوئے اور بولے، صحابہؓ کے عہد میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ شاہِ فیصل نے نہایت خاموشی سے اپنے ملازمین کو بلایا اور ان سے کچھ بات کی۔ شیخ برہم تو تھے ہی، تھوڑی دیر بعد جانے کے لیے محل سے باہر نکلے اور الٹے پیروں اندر واپس آئے، مزید برہمی کے لہجے میں شاہِ فیصل سے بولے۔ ہماری کاریں غائب ہیں، کہاں چلی گئیں؟ شاہ فیصل نے کہا، صحابہؓ کے عہد میں کاریں نہیں ہوتی تھیں۔ کاروں کی جگہ چند اونٹ کھڑے ہیں ان پر سوار ہو کر آپ جہاں سے آئے ہیں وہاں تشریف لے جائیں۔

اجتماع کے دوران اس پر مستقل بحث ہوئی کہ انسان چاہے تو ریڈیو ٹیلیویژن کے ذریعے خیر کو فروغ دے اور چاہے تو گھر گھر فساد پھیلائے۔ یہ انسان کا اپنا فعل ہے اور وہ اس کے لیے ویسا ہی جواب دہ ہے جیسا کہ اپنے ہاتھ، پیر، کان، آنکھ اور زبان کے افعال کے لیے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اور موضوع جس پر خوب بحث ہوئی اور خاصا اختلافِ رائے بھی رونما ہوا وہ تھا مسلم اقلیتیں خاص طور پر گفتگو کا محور یہ تھا کہ مسلم اقلیتوں کو جو غیر مسلم اکثریت سے گھری ہوئی ہیں۔ کس قسم کے خطرات لاحق ہیں اور اس سلسلہ میں مسلم حکومتوں پر کیا فرض عائد ہوتا ہے اور وہ کس طرح اس سے عہدہ برآ ہو سکتی ہیں تاکہ مسلم اقلیتوں کا اخلاقی، ثقافتی اور اجتماعی تشخص برقرار رہے اور ان کی عزت و وقار میں بھی فرق نہ آئے۔

استاد محمد عبداللہ عنان نے اپنے مقالہ میں صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا کہ کچھ مسلم اقلیتیں تو وہ ہیں جو "ہجرۃ اختیاریہ" یعنی اپنے اختیار اور مرضی سے ترکِ وطن کے نتیجہ میں وجود میں آئی ہیں۔ آج کینیڈا، امریکہ، برازیل ارجنٹین، انگلینڈ، فرانس، اٹلی اور بہت سے دوسرے ملکوں میں وہ مسلمان آباد ہیں جو تلاشِ روزگار، اقتصادی خوشحالی اور علمی ترقی کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مسلمان غیر اسلامی اکثریت کے ماحول میں زندگی گزارتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کو بڑی حد تک شہری آزادیاں اور بنیادی حقوق حاصل ہوتے ہیں، لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بسا اوقات یہ مختلف قسم کے تعصبات کا شکار ہوتے ہیں اور ایسے مواقع آتے ہیں، جب ان کی عزت و وقار کو ٹھیس لگتی ہے۔ ان کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اپنی مخصوص دینی، ثقافتی اور اجتماعی زندگی کی ضروریات سے محروم ہوتے ہیں۔ چند بڑے شہروں کو چھوڑ کر نہ تو ان کے لیے مساجد ہوتی ہیں اور نہ مقبرے جہاں اسلامی طریقہ کے مطابق دفن کا انتظام ہو۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مقامی عورتوں سے شادی بیاہ کا سلسلہ چل پڑتا ہے۔ مقامی زبان سے گھر کے باہر تو واسطہ پڑتا ہی ہے۔ گھر کے اندر بھی استعمال ہونے لگتی ہے اور مقامی نظامِ تعلیم اور ماحول اسلامی ثقافت اور اسلامی اقدار سے بالکل ہی بیگانہ ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ جیسے جیسے وقت گزرتا ہے یہ مسلمان مقامی معاشرہ میں ضم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ یورپین باشندے جو اسلامی ممالک میں رہتے ہیں ان کی اپنی عبادت گاہیں، مقبرے اسکول اور کلب ہوتے ہیں اور وہ ہر طرح اپنی روحانی اور ثقافتی ضروریات کا احساس کرتے ہیں۔ اس تقابل سے مسلم حکومتوں کا فرض بآسانی پہچانا جا سکتا ہے۔ ہمارے یہاں بھی ایسے سرکاری اور نیم سرکاری ادارے ہونا چاہئیں جن کو حکومت کی سرپرستی اور امداد حاصل ہو اور جو دینی اور قومی خدمت کے جذبہ سے بیرونِ ملک رہنے والے بھائیوں کی نگہداشت کریں۔

دوسری طرف وہ مسلم اقلیتیں ہیں جو تاریخی عوامل کے نتیجہ میں وجود میں آئیں اور جو اپنے ہی وطن میں اقلیت کی حیثیت سے رہتی ہیں۔ اکثر جگہ دیکھا جائے تو تعداد کے لحاظ سے یہ خاصی بڑی ہیں۔ انہیں اقلیت محض اضافی طور پر کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یوگوسلاویا، بلغاریہ، یونان، حبشہ اور فلپین کے مسلمان ہیں ان کی اپنی مساجد اور مدارس ہیں اور یہ بڑی حد تک اسلامی طریقہ زندگی پر قائم ہیں اور خود اپنے اندر قائم رہنے کی صلاحیت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھتی ہیں۔ اس کے باوجود غیر مسلم اکثریت کی حکومتیں وقتاً فوقتاً انہیں تفریق عنصری اور سیاسی ظلم کا نشانہ بناتی رہتی ہیں۔ جو مسلم اقلیتیں علمی و اقتصادی لحاظ سے آگے بڑھی ہوئی ہیں وہ کچھ نہ کچھ اپنا دفاع کر لیتی ہیں اور بیرونی دنیا کو اپنی آواز سنا دیتی ہیں۔ اس صورت میں بھی مسلم حکومتوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ مسلم اقلیتوں کے حقوق کی حمایت میں جتنا بھی ممکن ہو اپنا اثر و نفوذ استعمال کرنے میں دریغ نہ کریں۔

ان مسلم اقلیتوں کا مسئلہ بے شک مالوس کن ہے جو تعداد میں بہت کم ہیں مثلاً قبرص میں ۸۰ ہزار، روڈس میں ۱۵ ہزار، رومانیا میں ۲۰ ہزار، پولینڈ میں ۵ ہزار مسلمان ہیں۔ قبرص کے مسلمانوں کو حکومت ترکی کی حمایت حاصل ہے اور ان کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو غیر مسلم اکثریت میں ضم نہیں ہونے دیں گے لیکن اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اگر مسلم حکومتوں نے کوئی متحدہ کوشش نہ کی تو باقی اور چھوٹی اقلیتیں ہیں، وہ ایک نہ ایک روز غیر مسلم اکثریت میں گھل مل جائیں گی۔

استاد محمد عبداللہ عنان کو اندلس کی تاریخ سے خاص شغف ہے اور اس موضوع پر ان کی کئی اعلیٰ تصانیف ہیں انہوں نے اندلس کی تاریخ سے مثال دیتے ہوئے کہا کہ جب اندلس کے عیسائیوں نے یکے بعد دیگرے مسلمانوں کی ریاستوں اور ان کے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کیا تو ان علاقوں کے بہت سے مسلمان عیسائی حکومتوں کے تابع بن کر وہیں کے وہیں رہ گئے۔ انہیں تاریخ میں "مدجنون" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ "مدجنون" رفتہ رفتہ عیسائیوں میں ضم ہو گئے محض اس لیے کہ مسلم حکومتیں ان سے بے تعلق ہو گئیں۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا یا یوں کہیے کہ خدا کے حوالہ کر دیا، ان کے لیے کچھ نہ کیا یہاں تک کہ دعاؤں میں بھی بھلا دیا۔

اس وقت دو علاقے ایسے ہیں جہاں کھلم کھلا مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی کوشش اور منظم کوشش جاری ہے ایک تو حبشہ اور ارٹریا میں تقریباً پچاس برس سے مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں حالانکہ ان کی تعداد تین چار ملین ہے پہلے ذکر آچکا ہے کہ مسلم حکومتیں، حتیٰ کہ قریب کی عرب حکومتیں اس بارے میں سکوت مصلحت آمیز کا رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں بلکہ شہنشاہ ہیلا سلاسی کی آؤ بھگت کرتی ہیں۔ دوسری طرف فلپین میں مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے اور ظلم و تشدد کے ایسے واقعات ہو رہے ہیں جنہیں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سال گزشتہ (۱۹۷۲ء) کے اسی اجتماع میں فلپین کے نمائندے نے اس کی تفصیلات بلا جھجک بیان کی تھیں۔ اسی فلپین میں بدھ اور دین نا آشنا قبائل بھی آباد ہیں لیکن عیسائیوں کے حملہ کا نشانہ صرف مسلمان ہیں۔ فلپین کے بارے میں مسلم حکومتوں کا شعور کچھ کچھ بیدار ہوا ہے لیکن مؤثر عمل کی منزل ہنوز دور ہے۔

اندلس ہی کی تاریخ سے ایک اور مثال دیتے ہوئے استاد محمد عبداللہ عنان نے کہا کہ پندرہویں صدی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے لے کر سترہویں صدی عیسوی تک کا زمانہ وہ ہے جب اندلس میں عیسائی ایک ایک کر کے مسلمانوں کا صفایا کر رہے تھے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس زمانہ میں عالمی سطح پر مسلمان اپنی طاقت کھو چکے تھے اور بے بس تھے نہیں! اس کے برعکس اسی زمانہ میں دولتِ عثمانیہ ایک زبردست طاقت بن کر ابھر چکی تھی اور محمد الفاتح جنوبی اٹلی کی بندرگاہوں پر کامیاب حملہ کر چکے تھے۔ اندلس کے مسلمانوں نے دولتِ عثمانیہ سے مدد کی درخواست بھی کی لیکن وہاں کے حکمران مشرقی یورپ اور مصر فتح کرنے میں لگے رہے اور انہوں نے اندلس کے مسلمانوں کی فریاد نہ سنی حالانکہ وہ طاقت جو دیا تک روندتی چلی گئی اور جس نے بحیرہ روم میں اپنی بالادستی ثابت کر دی تھی اس کے لیے اندلس کے حکمرانوں سے حساب چکانا کوئی مشکل نہ تھا۔

اس وقت بھی گو مسلم ممالک پس ماندہ ہیں اور ان کی فوجی طاقت عالمی سطح پر قابل ذکر نہیں تاہم اگر وہ مسلم اقلیتوں کی حمایت اپنا فرض سمجھیں اور متحد ہو کر ممکنہ تدابیر اختیار کریں تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

اسی موضوع پر دوسرا مقالہ ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن بیصار کا تھا جو مجمع البحوث الاسلامیہ (اسلامی ریسرچ کونسل) مصر کے سیکرٹری جنرل ہیں اور عرصہ تک اسلامک سنٹر واشنگٹن کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں۔ انہیں پورا پورا اتفاق تھا کہ مسلم اقلیتوں کے حالات تشویشناک ہیں اور ان کی مدد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ لیکن مدد کس سطح پر کی جائے اور کن طریقوں سے کی جائے۔ اس بارے میں ان کی رائے بالکل مختلف تھی ان کی رائے میں حکومتوں کے دخل دینے سے معاملات سلجھنے کے بجائے اور زیادہ سنگین بن جاتے ہیں انہوں نے بڑی حد تک یہ ثابت کیا کہ بین الاقوامی سیاست کی بساط پر مہرہ بازی ایسی شاطرانہ چالیں ایسی الجھی ہوئی ہیں اور پینترے اتنی تیزی سے ادلتے بدلتے ہیں کہ اگر مسلم اقلیتوں کی حمایت کا بوجھ ڈالا جائے تو بہت سی کمزوریاں سامنے آتی ہیں۔ عجب عجب تضاد ابھرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ مسلم اقلیتوں کو فائدہ پہنچے الٹے اپنی رسوائی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر بیصار کا پختہ خیال تھا کہ غیر سرکاری ادارے ہونا چاہئیں جو علمی ثقافتی اور سماجی میدان میں مسلم اقلیتوں کی مدد کریں اور ان میں عزلت اور تنہائی کا شعور کم کریں۔ مسلم حکومتیں دوستانہ طریقہ پر دوسری حکومتوں سے مسلم اقلیتوں کے حق میں جتنا کہہ سکیں اسی پر اکتفا کریں۔

مجھے اس موضوع پر تعقیب (اظہار رائے) کا موقع ملا۔ میں نے کہا کہ استاد محمد عبداللہ عنان نے یورپ افریقہ اور مشرق بعید کی مسلم اقلیتوں کا ذکر کیا اور بجا طور پر کیا لیکن وہ ہندوستان اور وسط ایشیا کی نہایت اہم مسلم اقلیتوں کو بھول گئے۔ یقیناً انہوں نے عمداً ایسا نہیں کیا۔ اس سے قطع نظر مجھے ان کی رائے سے پورا پورا اتفاق ہے کہ مسلم اقلیتوں کی حمایت کا کام بنیادی طور پر حکومتوں کا ہے۔ مسلم عوام اور غیر سرکاری ادارے حکومتوں کی مدد کر سکتے ہیں، حکومتوں سے تعاون کر سکتے اور حکومتوں پر دباؤ بھی ڈال سکتے ہیں۔ لیکن بالآخر یہ کام حکومتوں ہی کو

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انجام دیتا ہے۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے اور آج بھی یہی ہو رہا ہے کہ حکومتوں کی دلچسپی کے بغیر اقلیتوں کی حمایت کا مسئلہ محض علمی اور جذباتی مسئلہ بنا رہتا ہے جب حکومت کوئی اقدام کرتی ہے۔ خواہ وہ محض قول اور زبانی احتجاج تک محدود ہو۔ تب ہی کچھ اثر کی توقع ہوتی ہے۔ جس طرح بھلی بُری حکومت کے بغیر ایک معاشرہ کا تصور ناممکن ہے اسی طرح بین الاقوامی میدان میں بعض کام ایسے ہیں جو حکومت کے توسط کے بغیر نہیں ہو سکتے۔ یہ صحیح ہے کہ بڑی طاقتوں کی طرف جھکاؤ کے بارے میں مختلف مسلم ممالک مختلف خارجہ پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ لیکن اگر حق انصاف اور اسلامی اخوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے تھوڑی سی جرأت اور قربانی کا جذبہ نہ ہو تو بات کرنا ہی فضول ہے۔ مختلف اوقات میں پاکستانی حکومتوں کا جھکاؤ امریکہ کی طرف رہا ہے لیکن اس کی وجہ سے انہوں نے فلسطین میں عربوں کے حقوق کی حمایت کرنے میں آنا کانی نہیں کی۔ بحث کے دوران اقوام متحدہ کا بھی ذکر آیا تھا۔ میں نے کہا کوئی مسلم ملک ایسا خوش قسمت نہیں جسے اقوام متحدہ سے کچھ بھی ہاتھ لگا ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اقوام متحدہ نے حق و ناحق بڑی طاقتوں کی چودھراہٹ اور بالادستی قائم رکھنے کے سوا کوئی مسئلہ حل نہیں کیا۔ پاکستان کا تازہ تلخ تجربہ یہ ہے کہ وہ ادارہ جو قوموں کی سالمیت اور آزادی اور بین الاقوامی امن کی نگرانی کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ اسی ادارہ کا ایک رکن، ایک بڑی طاقت کی مدد اور پشت پناہی میں، ایک دوسرے رکن پر جارحانہ حملہ کر کے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ تھوڑے دن بعد اس ادارے کے ارکان یکے بعد دیگرے اس جارحانہ حملہ کی حقیقت کو (حقیقت "بنگلہ دیش نہیں، بلکہ پاکستان پر جارحانہ حملہ ہے) خود اپنے ہی منشور کی عصمت دری کو دھڑا دھڑ تسلیم کر لیتے ہیں۔

اس دم تحریر یہ اضافہ کر لیجئے کہ جب اٹلی نے ابی سینیا پر حملہ کیا تو اقبال کی دوررس نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ لیگ آف نیشنز کا قابوت تیار ہے مستقبل کا مورخ بتائے گا کہ پاکستان پر حملہ یونائٹڈ نیشنز کے مرض الموت کی علامت ہے یا نہیں۔ اس میں تو شک نہیں کہ اسے بھی جلد یا بدیر موت آنی ہے۔

آخر میں میں نے کہا کہ ایک ٹھوس مثال لیجئے: ہندوستان کی مسلم اقلیت ایک باعزت اور باشعور اقلیت ہے۔ اس نے وامے درمے سخنے ہمیشہ اپنی اسلامی حمیت کا ثبوت دیا ہے۔ اس نے محض اپنے ذرائع و وسائل پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی تعلیمی اور ملی ضروریات کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی قائم کی جس کی آغوش میں تربیت پانے کا مجھے بھی فخر حاصل ہے۔ اس یونیورسٹی میں نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کی بلکہ افریقہ اور ایشیا کے دور دراز حصوں میں بسنے والے مسلمانوں کی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ہندو طلبہ پر بھی اس کے دروازے برابر کھلے رہے ہیں۔ آج ہندوستان کی حکومت جبر و تشدد کے ذریعہ اس عظیم یونیورسٹی سے اس کی اسلامیت چھیننے یا یوں کہئے کہ اس کی روح سلب کرنے پر مصر ہے۔ کوئی بتائے کہ غیر سرکاری

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طریقوں سے اس اسلامی ورثہ کو کیونکر تباہی سے بچایا جا سکتا ہے؟ آپ ایک عربی یا اسلامیات کا پروفیسر بھیجیں، کتابیں تحفہ میں دے دیں، مالی امداد کریں۔ اس سے صورتحال میں کیا فرق پڑتا ہے۔ ہاں! اگر مسلم حکومتیں یک زبان ہو کر احتجاج کریں تو کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوگا۔ بات لشکر کشی یا انتقامی کارروائی کی نہیں۔ صرف ذرا سی اخلاقی جرأت کی بات ہے۔

میں اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں شاید بہت آگے بڑھ گیا، بحث علمی تھی، لیکن سیاست کے حوالہ سے ہو رہی تھی۔ سخن گسترانہ پاکستان کا نام بھی آگیا۔ ڈکٹر بیصار کی جوابی تقریر کا رخ بیشتر میری طرف تھا۔ انہوں نے بڑی شدت سے اپنی رائے کا اعادہ کیا اور سیاست کی گندگی بلکہ حماقت اور جہالت کو کھول کر رکھ دیا۔ ان کا یہ کہنا صحیح تھا کہ جہاں اسلام کا واسطہ ہو وہاں سیاست میں سب امام ہوتے ہیں اور مقتدی کوئی نہیں۔ اس لیے کسی بھی منظم عمل کی توقع عبث ثابت ہوتی ہے حکومتوں کا حال اس لیے برا ہے کہ ارباب حکومت بسا اوقات علم سے محروم ہوتے ہیں اور اہل علم کو دور رکھتے ہیں۔ اس ذیل میں انہوں نے اپنا تجربہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ جس زمانہ میں میں اسلامک سنٹر واشنگٹن کا ڈائریکٹر تھا تو میرا سابقہ تمام اسلامی ملکوں کے سفیروں سے رہتا تھا جو سب کے سب سترہ اٹھارہ بلحاظ عہدہ سنٹر کی مجلس ادارت (گورننگ باڈی) کے ممبر تھے ان میں شاذ و نادر ہی کوئی علم کی بات کرتا تھا سب کے سب سفارت کی آن بان کے ساتھ بولتے تھے اور اپنا اپنا راگ الاپتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے عید کی نماز پڑھائی تو اتفاق سے سورۃ الطارق کی یہ آیت تلاوت کی یوم تبلی السرائر فماله من قوة و لا ناصر آخری لفظ "ناصر" ایک اسلامی ملک کے سفیر سمجھ پائے اور وہ ان کی سیاست کو ایسا کھٹکا کہ نماز کے بعد احتجاجاً بولے (انگریزی میں) ڈاکٹر بیصار! آپ نماز میں "ناصر ازم" کا پرچار کر رہے تھے۔ علم و دانش کے اس شاہکار پر سارا ہال قہقہہ سے گونج اٹھا۔ قہقہہ میں میں بھی شریک تھا لیکن میری نظریں نیچی تھیں۔ میرے لیے ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ اس لیے کہ ڈاکٹر بیصار نے کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی تھی اور پاکستان کا نام بھی لے دیا تھا۔ الغرض یہ قہقہہ اس سنجیدہ اور گرما گرم بحث کا مقطع بن گیا اور سب ہلکے پھلکے ہنستے ہوئے مجلس سے باہر نکلے۔

اس پر مجھے یاد آرہا ہے کہ ڈکٹورہ بنت الشاطی مصر کی نامور ادیبہ اور یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ چند سال ہوئے وہ ہندوستان گئی تھیں۔ واپسی پر انہوں نے قاہرہ کے روزنامہ الاہرام میں ایک مضمون لکھا۔ انہوں نے لکھا مجھے سخت حیرت ہوئی جب میں ہندوستان میں ایسے لوگوں سے ملی جو عربی زبان سے نابلد ہیں اور ان میں سے کسی نے قرآن کا ترجمہ کر ڈالا ہے اور کسی نے تفسیر لکھ ڈالی ہے ڈکٹورہ بنت الشاطی نے مسلم حکومتوں سے اپیل کی تھی کہ جس طرح وہ قرآن کو غلط طباعت سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کرتی ہیں اسی طرح قرآن کو نااہلوں کے ترجمہ و تفسیر سے محفوظ رکھنے کا بھی اہتمام کریں۔ یہ بات اس وقت کی ہے جب نہ مولانا کوثر نیازی وزیر تھے اور نہ ہماری حکومت کو اس طرف توجہ تھی۔ آج اگر یہ بات کان میں پڑ جائے تو شاید دل کو لگ جائے۔ کم از کم اتنا تو ہو کہ جو ادارے حکومت کی نگرانی میں ہیں ان میں کوئی شخص عربی زبان کا باقاعدہ علم حاصل کیے بغیر قرآن پر لب کشائی اور خامہ فرسائی نہ کرے۔ علی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم اقلیتوں کے ذیل میں ان الجزائری باشندوں کا مسئلہ ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے جو اس صدی میں طلب رزق کے لیے جاکر فرانس میں آباد ہو گئے ہیں۔ فرانس میں الجزائری باشندوں کی فلاح و بہبود کو الجزائر کی حکومت اپنی بہت بڑی ذمہ داری سمجھتی ہے۔ اس موضوع پر ایک خصوصی مقالہ ڈاکٹر العربی زبیری نے پڑھا۔ ڈاکٹر زبیری یورپ میں الجزائری باشندوں کے امور مذہبی کے نگران ہیں۔ نوجوان اعلیٰ تعلیم یافتہ حکومت کے اعلیٰ عہدہ دار، تواضع اور علم کا احترام ان کی نمایاں صفت۔ یہ بات "سول سروس کی جنت" کے علاوہ اور کہیں دیکھنے میں نہیں آئے گی کہ علماء کا یونیورسٹی کے پروفیسروں کا اجتماع ہو اور ایک معمولی بی اے۔ ایم اے پاس سول ملازم کرسی صدارت کی طرف بڑھے۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

الغرض ڈاکٹر زبیری اختصاصی معلومات رکھتے تھے جو انہوں نے اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے دوران بطور خود مستعدی اور خلوص سے جمع کی تھیں ان کا مقالہ بہت مفید تھا اور یہ ایک ہی مقالہ تھا جس کی بابت مناقشہ کی گنجائش نہیں پائی گئی۔

ڈاکٹر زبیری لکھتے ہیں:۔ اس وقت بیس میں سے ایک الجزائری ملک کے باہر روزی کماتا ہے۔ اس کا تاریخی پس منظر ہے۔ فرانس نے الجزائر پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں کی اقتصادیات تمام تر فرانسیسی آبادکاروں کے تصرف میں دے دیں۔ تمام اچھی زمینوں کا انہیں کو مالک بنا دیا۔ اہل وطن محرومی اور بیکاری کا شکار رہے۔ ۱۹۱۲ء میں فوج میں جبری بھرتی کا قانون نافذ ہوا۔ جب الجزائری فوجی خدمت کے سلسلے میں یورپ گئے تو انہوں نے وہاں کی معیشت کو وطن کی معیشت سے بدرجہا بہتر پایا۔ وہاں کی ترقی یافتہ صنعت و حرفت کو ان کے زور بازو کی ضرورت تھی۔ یہ وہیں رہ پڑے۔ ان کی دیکھا دیکھی ترک وطن کا سلسلہ شروع ہو گیا جو آج تک جاری ہے۔ ایسا بھی ہوا کہ تعلیم یافتہ حساس نوجوانوں نے دیکھا کہ جن شہری حقوق اور بنیادی آزادیوں کا فرانس کے مقبوضہ الجزائر میں خون ہو رہا ہے وہ حقوق اور آزادیاں انہیں فرانس میں نصیب ہو سکتی ہیں۔ اس لیے انہوں نے فرانس میں سکونت کو ترجیح دی۔ پورے یورپ میں جو باہر کے مزدور کام کر رہے ہیں ان کا دسواں حصہ الجزائری ہیں۔

۱۹۱۴ء سے لے کر ۱۹۶۲ء تک فرانس میں رہنے والے الجزائری ایک فرانسیسی شہری کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے حقوق و فرائض وہی تھے جو فرانس کے اہل وطن کے تھے۔

الجزائر کی آزادی کے بعد سے سارے الجزائری فرانس میں اجنبی اور پردیسی بن گئے۔ اب ان کو صرف وہ حقوق ملیں گے جو دونوں حکومتوں کی باہمی رضامندی سے طے پا جائیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ اب ان کے خلاف بہت سے تعصبات اور عداوتیں کارفرما ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ امید بے جا نہیں کہ جب الجزائر کے اقتصادی حالات بہتر ہو جائیں گے تو ترک وطن کا محرک باقی نہیں رہے گا لیکن اس وقت تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا جا سکتا۔ اس وقت یورپ میں الجزائر کے ساٹھ ہزار خاندان آباد ہیں ان میں بیس سال سے کم عمر کے ڈھائی لاکھ سے زیادہ نوجوان لڑکے لڑکیاں ہیں۔ ان کو جو خطرے درپیش ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ اجتماعی اور سماجی خطرے: یہ تارکین وطن تنہائی اور ماحول سے عدم مطابقت کے نتیجے میں طرح طرح کے امراض کا شکار ہوتے ہیں۔ ان میں جنسی امراض اور سینہ کے امراض خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ گھر سے تربیت پا کر جب الجزائری فرانس جاتا ہے تو وہ کھانے پینے کی ان تمام چیزوں سے پرہیز کرتا ہے جو اسلام میں حرام ہیں۔ حلال چیزیں اسے ملتی نہیں اور اگر ملتی ہیں تو اس کی قوت خرید سے باہر ہوتی ہیں۔ اب کچھ ایسی جماعتیں کام کرتی دکھائی دیتی ہیں جو ذبیحہ کی اور بعض دوسری کھانے پینے کی سہولتیں فراہم کرتی ہیں۔ ان کو بسا اوقات حکومت کی سرپرستی اور امداد بھی حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کے عمل کی نوعیت کچھ مشکوک ہو جاتی ہے۔ بہر حال یہ جماعتیں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرنے کی بجائے اسلام کے نام پر مسلمانوں کو بے وقوف زیادہ بناتی ہیں اور اپنا الو سیدھا کرتی ہیں وہ بات اپنی جگہ پر ہے کہ مسلمان کو اس قسم کی غذا میسر نہیں آتی جو اس کی صحت کے لیے ضروری ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ صحت کے تقاضوں کے مطابق رہنے کو مکان نہیں ہوتا۔ چھوٹی جگہ میں بہت سے آدمی رہتے ہیں جہاں گرم رکھنے کا انتظام نہیں ہوتا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سانس لینا بھی دشوار ہوتا ہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک پلنگ پر باری باری کئی آدمی سوتے ہیں جس سے متعدی امراض پھیلتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو زکام ہو جائے تو وہ ایک دن آرام نہیں کرتا۔ برابر کام پر جاتا ہے کہ اجرت کا نقصان نہ ہو یہاں تک کہ مرض بڑھ کر خطرناک شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی سردی سے بچنے کے لیے کپڑوں کا اہتمام نہیں کرتے حالانکہ یہ مقامی مزدوروں کی طرح شراب بھی نہیں پیتے جس سے کچھ بدن کی حرارت کا سامان ہو۔ سخت اور جان لیوا کام جس سے مقامی مزدور گریز کرتے ہیں وہ یہ بخوشی قبول کر لیتے ہیں اور اپنی طاقت سے زیادہ اور مقررہ اوقات سے زیادہ کام کرتے ہیں جس کے نتائج تباہ کن ہوتے ہیں۔ فیکٹریوں اور کارخانوں میں حادثات سے دوچار ہوتے ہیں اس لیے کہ مشینوں کے استعمال سے متعلق لکھی ہوئی تعلیمات پڑھ نہیں سکتے۔ اعداد وشمار سے پتہ لگتا ہے کہ عورتیں خاص طور پر عقلی امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں اس لیے کہ وہ ایک قیدی کی طرح پڑی رہتی ہیں اور تنہا زندگی کی صعوبتیں جھیلتی ہیں۔

یہ حال تو اس نسل کا ہے جو وطن سے تربیت پا کر باہر جاتی ہے۔ یہ اپنے وطن سے [illegible] رشتہ وار دن

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے گہرا جذباتی تعلق رکھتے ہیں۔ مخصوص دینی اور اجتماعی روایات کے عادی ہوتے ہیں اور باوجود ان دشواریوں کے جو اوپر بیان ہوئیں، ان پر قائم رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہوتا کہ نئے معاشرہ میں میل جول بڑھائیں اور ان سے متاثر ہوں۔ لیکن ان کے بچوں کا حال ان سے بالکل مختلف ہوتا ہے یہ بچے پردیس میں آنکھیں کھولتے ہیں۔ ان کے باپ سارا سارا دن گھر سے باہر رہتے ہیں۔ مائیں بالکل جاہل اور غیر تربیت یافتہ ہوتی ہیں۔ ان میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ بچوں کی نگرانی کر سکیں۔ یہ بچے سارا سارا دن اسکول میں اور محلہ میں مقامی بچوں کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں۔ یہ بے تکلفانہ دوستوں کے گھر جاتے ہیں۔ اور فطری طور پر ان کے رہن سہن کا اپنے رہن سہن سے مقابلہ کرتے ہیں۔ انہیں اپنے دوستوں کے والدین کی عقلیت ذہنیت بھی روشن اور برتر نظر آتی ہے۔ مجموعی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں احساس کمتری پیدا ہوتا ہے اور یہ اپنے معاشرہ کی ہر چیز سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ جب یہ کیفیت پوری طرح ابھر کر سامنے آتی ہے تو ماں باپ کو سخت صدمہ ہوتا ہے لیکن وہ اپنے آپ کو عاجز اور بے بس پاتے ہیں۔

وطن سے کٹ جانے کا ایک سبب یہ ہے کہ دوری کے باعث آمد و رفت دشوار ہے۔ وطن کی بہ نسبت ایک تارک وطن پردیس میں اچھا خاصا کماتا ہے لیکن اتنی ہی وہاں گرانی بھی ہوتی ہے۔ وطن جانے کے لیے ایک تو سفر کے مصارف، دوسرے اعزہ و احباب کے لیے تحفہ تحائف خریدنے کا بندوبست کرنا پڑتا ہے۔ چھ سات سال میں بمشکل اتنا جوڑ پاتا ہے کہ اہل و عیال کے ساتھ تھوڑے دن کے لیے وطن جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ بچے وطن اور اہل وطن کو اپنا سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

ایک طرف تو پردیس کا ماحول احساس کمتری پیدا کرتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ سارے وسائل ابلاغ یہ تاثر دیتے ہیں کہ الجزائر پس ماندہ ملک ہے۔ وہاں کے لوگ وحشی اور جاہل ہیں۔ بالخصوص عورت کی وہاں معاشرہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔

اس طرح یورپ کے بعض خطرناک رجحانات قبول کرنے کے لیے زمین تیار ہو جاتی ہے۔ آج یورپ میں آرام آسائش اور لذت اندوزی کے تمام مادی وسائل بقدر وافر میسر ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ روحانی قدریں معدوم ہیں اور اخلاقی شعور مردہ ہو چکا ہے نوجوان ایک اندرونی کرب و بے چینی سے نجات پانے کے لیے طرح طرح کے نشے کرتے ہیں اور بے ہودہ اور ناشائستہ حرکات کی نمائش کرتے ہیں۔ تارکین وطن کے بچے بھی ان کی تقلید کرنے لگتے ہیں اور جب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ الجزائر کے معاشرہ میں یہ سب معیوب اور لائق تعزیر ہے تو وہ اس معاشرہ سے باغی ہو جاتے ہیں۔

نوجوانوں کی یہ انانیت اور خود رائی جب بے راہ روی اور بے قید و بند لذت اندوزی کے سوا کچھ نہیں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گھر اور خاندان کو پاش پاش کر دیتی ہے۔ ایسے بھی واقعات ہوئے ہیں کہ جب ایک الجزائر لڑکی نے اپنے بوائے فرینڈ کو باپ کے سامنے پیش کیا تو اس نے خودکشی کر لی۔ کبھی کبھی جب باپ نے سختی کی تو لڑکی نے حکومت سے شکایت کر دی اور حکومت نے لڑکی کو آزاد قرار دیتے ہوئے اس کی حمایت کی۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور اس کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ لڑکوں کا فرانسیسی لڑکیوں کا ہو رہنا تو معمولی بات ہے بہت سے لڑکے تو اپنا نام تک بدل دیتے ہیں۔ ہشام کے بجائے میشال اور یوسف کے بجائے جوزف۔

پردیس میں پلنے بڑھنے والے نوجوانوں کے ذہن دین کے صحیح تصور اور اس کی تعلیمات سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ گھروں میں اسلام کا جو نمونہ ان کے سامنے ہوتا ہے وہ جہل خرافات اور اوہام کی وجہ سے ان کے لیے نفرت انگیز ہوتا ہے۔ ایسے میں ان پر ایک طرف تو مسیحی مبلغ حملہ کرتے ہیں اور دوسری طرف بائیں بازو کی جماعتیں ترقی پسندی کے نام پر ان کو آسانی اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ فرانس میں مسیحیت کے بعد دوسرا بڑا دین اسلام کا ہے اس لیے مسیحی مبلغ خاص طور پر اسلام کے پھیلاؤ کو روکنے میں سرگرم ہیں۔ مادی خدمات سے لبھانا اور مادی منافع کا لالچ دینا ان کا جانا پہچانا حربہ ہے۔ دن کو جب مرد گھروں سے غائب ہوتے ہیں وہ دھڑلے سے عورتوں اور بچوں کو اپنی مہربانیوں کا نشانہ بناتے ہیں۔ بائیں بازو کی جماعتوں کے بعض اصول خوشنما اور جاذب توجہ ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ قوم اور جنس کی بنا انسان انسان میں تفریق کی مخالفت کرتی ہیں لیکن جب کوئی ان کے قریب چلا جائے تو یہ بات سیکھے بغیر نہیں رہتا کہ دین مذہب ایک افیون ہے۔ یہ تاثر بھی عام ہے کہ اسلام جاگیرداری، سرمایہ داری کا دین ہے۔

ایک جماعت وہ بھی ہے جو اپنے آپ کو "حزب الفرنسیین" کہتی ہے۔ یہ جماعت دین کے نام پر الجزائری مزدوروں کی ہمدردی حاصل کرتی ہے اور ان کو الجزائری حکومت کے خلاف اکساتی ہے اور یہ سبز باغ دکھاتی ہے کہ منظم ہو کر وہ فرانس ہی میں اپنا مقام پیدا کریں۔ یہ جماعت پیرس کی مسجد سے اپنی سرگرمیوں کی ابتدا کرتی ہے اور اس کے پیچھے ایسی قوتیں کارفرما ہیں جو منظر عام پر نہیں آتیں۔

کچھ یارانِ طریقت ایسے بھی ہیں جنہوں نے بھانپ لیا ہے کہ پردیس میں رہنے والے تارکانِ وطن جہل کے باوجود دین سے عقیدت رکھتے ہیں چنانچہ یہ پھیری والوں کی طرح گشت کرتے ہیں۔ تعویذ گنڈے بیچتے ہیں، خوب کھاتے پیتے ہیں اور منہ مانگا معاوضہ لے کر وعظ کرتے ہیں، میلاد پڑھتے اور قرآن سناتے ہیں۔ وہ لوگ جو قرآن سمجھتے بھی نہیں وہ ان شعبدہ بازوں کے کرتب کو باعث برکت سمجھتے ہیں اسلام بدنام ہوتا ہے اور نوجوانوں کی نفرت بڑھتی ہے۔

ڈاکٹر زبیری کی رائے میں سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ درویشوں اور شعبدہ بازوں کا راستہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روکا جائے اور گھر کے اندر اور گھر کے باہر اسلام کی پاک، صاف، سادہ اصل شکل پیش کی جائے جس میں ایسی حرکیت (Dynamism) ہو کہ اس کے سامنے نہ تو تعویذ گنڈے اور اوہام و خرافات ٹھہر سکیں اور نہ جاگیرداری اور معاشی ظلم باقی رہ سکے۔

دوسری اہم ضرورت یہ ہے کہ تارکین وطن کی نئی نسل کو عربی زبان اور دین کی تعلیم کا انتظام کیا جائے، لیکن یہ انتظام اسی اعلیٰ معیار کا ہونا چاہیئے جو فرانس کے مدارس کا معمول ہے۔ اس کا بچے کے ذہن پر بہت برا اثر پڑتا ہے کہ وہ عربی اور دین کی تعلیم کسی پست معیار کے مدرسہ میں پست معیار کے مدرس سے حاصل کرے۔

تیسری اہم ضرورت یہ ہے کہ ایسی تعلیم یافتہ مخلص خواتین کی ایک جماعت تیار کی جائے جو تارکین وطن کی جاہل عورتوں کو زندگی کے طور طریقے سکھائیں اور انہیں اولاد کی تربیت کا اہل بنائیں۔ بعض تارکین وطن اپنے بال بچوں کو الجزائر میں ہی چھوڑ کر جاتے ہیں۔ یہ بچے بھی آوارگی اور بے راہ روی اختیار کر لیتے ہیں۔ ماؤں سے نگرانی نہیں ہوتی اور باپ پردیس سے جو رقم بھیجتے ہیں وہ عام معیار سے کچھ زیادہ ہوتی ہے اس لیے نوجوانوں کو رنگ رلیوں کی سوجھتی ہے۔ اس لیے خود الجزائر میں بھی سماجی کارکن خواتین کے لیے وسیع میدان ہے ایسے خاندانوں کی حالت جن کا اوپر ذکر ہوا وہی درست کر سکتی ہیں۔

ڈکٹور زبیری نے کہا۔ میں بہت سے ایسے نوجوانوں سے ذاتی طور سے ملا ہوں جو اسلام سے بیزار ہیں۔ امید افزا بات یہ ہے کہ وہ معقول گفتگو کے لیے تیار ہیں۔ انہوں نے صفائی کے ساتھ بتایا کہ وہ اسلام کی بابت کچھ نہیں جانتے۔ انہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ اسلام جاگیرداری نظام سے وابستہ ہے۔ اسلام میں مرد و عورت کے درمیان عدم مساوات ہے۔ اوہام خرافات اور درویشوں کی شعبدہ بازی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اگر اسلامی معاشرہ کی کچھ بہتر شکل ہو تو انہیں نفرت اور بیزاری کی کوئی وجہ نہیں۔

ڈکٹور زبیری نے یہ بھی کہا کہ پورے عالم اسلام کے نمائندوں کے سامنے میں مخصوص طور پر الجزائر کے تارکین وطن کے احوال پیش کر رہا ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بہت سے دوسرے اسلامی ممالک کے تارکین وطن یورپ میں بالکل ہی حالات سے دوچار ہیں۔ اس لیے یہ موضوع عام دلچسپی کا ہے اور سب کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔

ڈکٹور زبیری نے بالکل سچ کہا۔ ان کی تقریر کے آئینہ میں اگر ہم پاکستانی اپنی شکل دیکھیں تو بہت سے داغ دھبے نظر آ جائیں۔ انگلینڈ میں لاکھوں پاکستانی باشندے رہتے ہیں۔ الجزائر کی حکومت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا احساس ذمہ داری آپ نے دیکھا۔ عملی طور سے انہوں نے بھی شاید کوئی بڑا قدم نہیں اٹھایا لیکن احساس ذمہ داری تو ہے کیا ہماری سفارت کے کسی رکن کو یہ توفیق ہوئی کہ وہ اتنی سمجھ خلوص اور ہمدردی سے انگلینڈ میں بسنے والے پاکستانیوں کے احوال کا جائزہ لے؟ بہتوں سے وہاں کے پاکستانیوں کے لطیفے سننے کا اتفاق ضرور ہوتا ہے اور ہاں! ہمارے لیڈر جو طرح طرح کے پلان بنانے کے لیے علاج کے بہانے لندن جاتے رہتے ہیں۔ انہوں نے کبھی اس طرف توجہ کی؟ ہماری حکومت کو اس سے دلچسپی ہے، کہ پاکستانی وہاں سے زرمبادلہ کما کر بھیجتے رہیں۔ یہ دلچسپی بے جا نہیں، لیکن ان پاکستانیوں کو جہل سے نجات دلانا، غیر ملک میں ان کا وقار بڑھانا، ان کی اسلامی ثقافت اور پاکستانی تہذیب کو برقرار رکھنا کس کی ذمہ داری ہے؟ عالمانِ شریعت ورثۃ الانبیاء ہیں۔ خدا انہیں رشد و ہدایت کی جرأت و ہمت دے لیکن یہ پیرانِ طریقت جو جہل کا خراج وصول کرتے پھرتے ہیں انہیں کب تک چھوٹ ملی رہے گی؟ سوشلسٹ حکومت سے ایک توقع یہ تھی جو خاک ہوگئی۔ خود اپنے گھر کا حال یہ ہے کہ مزاروں پر اوہام خرافات اور بدعتوں کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ ہیتھرو کے ہوائی اڈے کو موچی دروازہ بنا دینا آسان ہے لیکن اپنے ضابطۂ حیات سے اپنے علم اور پاکیزگی اخلاق سے دوسری قوموں کو متاثر کرنا عقل شعور تنظیم اور ان تھک محنت کا کام ہے

الجزائر میں علماء کے اجتماع کی روئداد ختم ہوئی تعلیم یافتہ اور مفکر طبقہ نے توجہ سے پڑھا اور مجھ سے چند سوالات بھی کیے۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ انہیں خاص طور پر اسلامی فقہ و قانون سے دلچسپی پیدا ہوئی اگر تھوڑا سا اس کا تاریخی پس منظر بیان کر دیا جائے تو امید ہے کہ الجزائر کے اجتماع میں جو نکات زیر بحث آئے ان کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ صد افسوس کہ ہمارے یہاں ایک طبقہ نے جو عربی و اسلامی علوم سے بے بہرہ اور اسلام سے خود غرضانہ اور ریاکارانہ دلچسپی رکھتا ہے۔ اس طبقہ نے اسلام کو ایک آئیڈیالوجی بنا ڈالا ہے جس کا اردو ترجمہ "نظریۂ حیات" کیا جاتا ہے جو گذشتہ چودہ صدی کے اسلامی لٹریچر میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔ یہ طبقہ چونکہ حکومت میں دخیل ہے دنیاوی جاہ کا مالک۔ ڈکٹیٹروں کے ظلم و استبداد میں اپنا حصہ لگاتا ہے اور جب جمہوریت کی ہوا چلے تو عوام کے جمہوری حقوق پر بھی تقریریں جھاڑ دیتا ہے۔ اس لیے نظریہ حیات کی اصطلاح ایسی چل پڑی ہے کہ علماء کی زبان پر بھی چڑھ گئی ہے جو اسلامی جماعتیں ووٹ کی دیوانی ہیں وہ اس کی حفاظت کے لیے میدان میں اتر آئی ہیں اور اس کے نام پر سرمایہ داروں، زمینداروں سے لاکھوں روپے چندہ جمع کر چکی ہیں حد یہ ہے کہ اسلامی نظریۂ حیات ہماری یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہے جو علمی دیوالیہ پن کی کھلی دلیل ہے۔ اسلامی نظریۂ حیات کو ایک منضبط علم (Academic Discipline) کا درجہ دینا ایسی ڈھٹائی ہے جس کی مثال دنیا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مشکل سے ملے گی۔ الغرض یہ طبقہ جس نے اسلام کو نظریہ حیات بنا ڈالا ہے یہ اسلامی قانون و شریعت کو دلوں سے بھلا دینے کا مجرم ہے دوسری طرف ایک طبقہ وہ ہے جسے حکومت اور تمام دنیاوی کاروبار سے ایسا بے دخل کیا گیا ہے کہ وہ عملی طور سے اسلامی شریعت کے نفاذ سے مایوس ہو چکا ہے۔ اس لیے اس نے اسلام کو عبادات میں محصور کر دیا ہے اور اپنے دائرۂ نفوذ کو توسیع دینے کے لیے طرح طرح کی غیر اسلامی رسمیں اور بدعتیں ایجاد کرتا رہتا ہے۔ اس سب کے ساتھ یہ ایک پیش پا افتادہ حقیقت ہے جس کا اعتراف مشکل ہی سے کیا جاتا ہے کہ انگریز نے دو چیزیں ایسی چھوڑی ہیں جن سے چھٹکارا پانا آزادی کے دور میں بھی آج تک کسی اسلامی ملک کو نصیب نہیں ہوا۔ ایک تو ہے نظام تعلیم اور دوسرے قانون۔ جس طرح حج میں لوگ (الا ماشاء اللہ) شیطان پر کنکریاں پھینک کر آتے ہیں اور ویسے کے ویسے رہتے ہیں اسی طرح ہمارے ماہرین تعلیم انگریزی نظام تعلیم کی کیا کیا برائیاں نہیں کرتے لیکن بنیادی اصلاح ان کے تصور سے باہر رہتی ہے۔ اصلاح کے نام پر جو کچھ کرتے ہیں اس سے تعلیم کو اور خراب اور پست کر دیتے ہیں۔ اصلاح کے لیے جس وسعت علم، ثقافت اور انقلابی فکر اور جرأت کی ضرورت ہے وہ ہمارے یہاں مفقود ہے۔

اس تمہید سے مقصد یہ ہے کہ اسلام اگر شریعت و قانون نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اب ذرا تاریخ کا مختصر جائزہ لیجئے۔ جب اسلام آیا تو اس نے سب سے پہلے جزیرہ عرب میں اپنا قانون نافذ کیا۔ جب فتوحات کا سلسلہ چلا تو بہت سے ایسے ممالک قبضہ میں آئے جہاں رومانی اور ایرانی قانون چلتا تھا ہر جگہ مسلمانوں نے اپنی شریعت اور اپنا قانون نافذ کیا۔ یہ بتاتا چلوں کہ جہاں تک حکومت کے نظم و نسق (Administration) کا تعلق ہے مسلمانوں نے رومیوں اور ایرانیوں سے بہت کچھ لیا اور سیکھا۔ ضرورت ظاہر ہے۔ عرب بنظم مرکزی حکومت سے ناآشنا تھے۔ اور ان کے پاس مرکزی حکومت کے ادارے (Institutions) نہ تھے لیکن حضرت عمرؓ کا "دیوان" قائم کرنا یا عبدالملک کا سکہ اور برید کے نظام کو فروغ دینا اور بات ہے۔ قانون بالخصوص معاملات اور تعزیرات کا قانون اور بات ہے۔ فن تعمیر میں فلسفہ و سائنس میں عربوں نے سب ہی کچھ دوسری قوموں سے لیا اور بلا جھجک بغیر کسی احساس کمتری کے پورے اعتراف اور شکریہ کے ساتھ لیا۔ بہت تیزی سے لیا۔ اور جو کچھ لیا اسے بڑے سلیقہ سے برتا مگر قانون کے دائرہ میں کسی دوسری قوم سے کچھ لینا اسلام کے وجود کی نفی کرنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ بنو امیہ کا دور ہو یا بنو عباس کا۔ قانون وہی شریعت کا رہا۔ یہ صحیح ہے کہ کسی دور میں خلوص کے ساتھ اسے نافذ کیا گیا اور کسی دور میں اس پر عمل کرانے میں چشم پوشی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی گئی لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ شریعت کو کسی اجنبی قانون سے بدلا گیا ہو۔ مسلمان اپنی بداعمالیوں کے نتیجہ میں یہودیوں سے قرض لیتے اور انہیں سود دیتے رہے لیکن کسی کو "ربوٰا" حلال کرنے کی نہ سوجھی۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ جب مسلمان عروج پر تھے تو دوسری قومیں تہذیب اور معیشت کے اعتبار سے اتنی پست تھیں کہ نیشن کے طور پر کسی کی نقالی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صلیبی جنگوں میں جب یورپ سے نیم وحشی جماعتیں شام پہنچیں تو انہوں نے پہلی دفعہ ایک مہذب اور متمدن معاشرہ دیکھا۔ اس ترقی یافتہ معیشت اور معاشرہ کی کونسی ضرورت ایسی تھی جو اسلامی قانون سے پوری نہ ہوتی ہو؟ بنو عباس کے دور میں مسلمانوں نے یونانیوں کے سارے علمی خزانے کھنگول ڈالے۔ ارسطو کو "معلم" کے لقب سے نوازا۔ لیکن دو چیزیں ایسی تھیں جنہیں اپنے استفادہ کے لائق نہ سمجھا۔ پہلی چیز یونانی ادب۔ ارسطو نے خطابت اور شعر پر جو لکھا ہے وہ عربی میں منتقل ہوا۔ عربی ترجمہ آج تک موجود ہے لیکن ترجمہ کے ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی کہ ارسطو نے جو معیار قائم کیے ہیں وہ عربی شعر و ادب کی مخصوص فطرت سے میل نہیں کھاتے۔ لہٰذا وہ سب قابل توجہ قرار پائے۔ صرف خطابت کے چند اصول جو عام انسانی فطرت کے ملاحظہ پر مبنی ہیں ادب کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ آج اردو کے ناقدوں کا یہ حال ہے کہ انگریزی سے چوری کرتے ہیں اور چوری نہیں کرتے تو اسی پر تکیہ کرتے ہیں۔ بسا اوقات ان کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ جب تک انگریزی اصل ذہن میں نہ ہو۔ اگر مغربی معیار کی ٹوپی ہمارے شعر و ادب کے سر پر ٹھیک نہ بیٹھے تو سر کا حجم اور شکل بدل دیتے ہیں۔ اور اس کو ہیئت کے نئے تجربہ کا نام دیتے ہیں۔ بھانڈ بھی جو کچھ کرتا ہے وہ ہیئت کے نئے تجربہ سے مختلف تو نہیں ہوتا۔ کہنا صرف یہ ہے کہ نئے تجربے ضرور کیجئے لیکن اپنی ہیئت تو مسخ نہ کیجئے۔ موجودہ دور میں بھی ادیب اور شاعر اپنی کانفرنسوں میں باقاعدہ قرارداد کے ذریعہ یہ فیصلہ دے چکے ہیں کہ مثلاً آزاد نظم معریٰ اور بے قافیہ نظم ہماری زبان کے مزاج اور فطرت کے خلاف ہیں۔ چنانچہ عربی میں اس بے راہ روی کا سد باب ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود جدید عربی شاعری بدعت سے بھرپور ہے۔ الغرض عربوں نے یونانی ادب کی طرف ایک نظر دیکھا اور منہ پھیر لیا۔ رہی دوسری چیز یعنی قانون تو اس کی طرف تو دیکھا ہی نہیں۔

عباسی دور ختم ہوا تو عثمانی دور شروع ہوا۔ اس میں بھی وہی اسلامی قانون رائج رہا۔ شیخ الاسلام محض نکاح طلاق کے فتوے دینے کے لیے تو نہ تھا۔ پوری سلطنت کے نظام قضاء کو شریعت کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا اس کی ذمہ داری تھی۔ جب نئی تدوین کی ضرورت پیش آئی تو وہی اسلامی قانون تقاضائے مجلہ کی شکل میں ڈھالا گیا۔ اس میں کسی غیر مسلم کی رائے شامل نہ تھی نہ کسی غیر اسلامی قانون سے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ اخذ کیا گیا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ عالمی تجارت اور صنعت وحرفت سے جو نئے مسائل پیدا ہوئے تھے ان کے شرعی احکام بھی اس میں شامل تھے۔ الغرض اٹھارویں صدی عیسوی تک ساری دنیا میں جہاں کہیں مسلمانوں کی حکومت تھی وہاں قانون کا سرچشمہ اسلامی شریعت ہی تھی۔ ہندوستان میں جب اسلامی شریعت کے بعض تقاضوں کو سیاسی مصلحت پر قربان کیا گیا تو عالمگیر نے شریعت کا احیاء کیا۔ ترکش مارا خدنگ آخریں۔ فتاویٰ عالمگیری آج بھی قابل قدر کارنامہ ہے۔

اس کا ذکر آچکا ہے کہ کوڈ نپولین اسلامی فقہ سے ماخوذ ہے۔ کیا اسلامی فقہ کی برتری کا یہ اعتراف کافی نہیں ؟ پھر آج کیوں ہم یہ سمجھنے لگے ہیں کہ انگریزی قانون کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا ؟ اچھا تو یوں دیکھئے کہ کسی قانون کے اچھا یا برا ہونے کا معیار کیا ہے ؟ اچھا قانون وہ ہے جو معاشرے کو جرائم سے پاک رکھے۔ مجرم قرار واقعی اور عبرت آموز سزا سے نہ بچنے پائے۔ انصاف بلا زحمت بلا معاوضہ اور بلا تاخیر ہو کسی کا حق ضائع نہ ہو اور کسی کو باطل کی حمایت کی جرأت نہ ہو بڑے سے بڑا مغرب زدہ بھی یہ دعوے کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ انگریزی قانون اس معیار پر پورا اترتا ہے۔ سینٹ جان فلبی کی کتابیں پڑھیے۔ اس نے یہ نظارہ دیکھا ہے کہ نجد کے قصبوں میں بڑے سے بڑے مقدمے کا فیصلہ آدھ گھنٹہ میں ہو جاتا ہے اور جس کے خلاف فیصلہ ہوتا ہے وہ بھی مطمئن جاتا ہے کہ انصاف ہوا۔ فریقین از خود اپنا اپنا ثبوت اور اپنے اپنے گواہ لے کر قاضی کے پاس جاتے ہیں۔ قاضی دونوں کی سنتا ہے۔ اپنا فیصلہ دیتا ہے اور دونوں کو سمجھا دیتا ہے کہ اس کا فیصلہ حق ہے مثال کے طور پر آپ کو یاد ہوگا کہ کراچی جیل کے سامنے عین دوپہر کے وقت ایک لڑکی بالجبر اغوا کی جاتی ہے تقریباً سو آدمی اس جرم کے شاہد عینی ہیں۔ اگر اس واقعہ کے ایک گھنٹہ کے اندر قاضی موقع پر پہنچ کر شہادت سن لیتا تو وہیں کے وہیں فیصلہ سنایا جاسکتا تھا اور ملزم کے پکڑے جانے کے بعد فوراً ہی اسی جگہ جیل کے سامنے اسے ایسی عبرتناک سزا دی جاسکتی تھی کہ آئندہ برسوں تک اغوا کا کوئی واقعہ نہ ہوتا۔ اس کے برعکس انگریزی قانون کے تحت کیا ہوا ؟ برسوں مقدمہ چلا اور نتیجہ ناگفتنی اور ہاں ! ایسے دلاور مجرم کو بھی اپنے دفاع کے لیے وکیل میسر آیا۔ یہ وکالت کا "پیشہ" اور وکیلوں کی بے ضمیری جو انگریزی قانون کا جزو لاینفک ہے۔ اس کی حرمت تو اب مسلم ہو چکی ہے۔ اپنے بچپن کی بات مجھے یاد آتی ہے۔ لوگ فتوے پوچھتے پھرتے تھے کہ وکالت کی آمدنی جائز ہے یا ناجائز ؟ ایسے لوگ بھی میری نظر میں ہیں جنہوں نے ساری عمر وکالت کی۔ لیکن وکالت کی کمائی سے حج کرنا پسند نہیں کیا۔ باپ کی چھوڑی ہوئی جائیداد بیچ کر یا بیوی کا میکہ سے لایا ہوا زیور بیچ کر حج کیا۔ یہ بات پاکستان کی نہیں جو اسلام کے نام پر قائم ہوا بلکہ اس ہندوستان کی ہے جو انگریز

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلام تھا۔ اب تو مدت ہوگئی، کسی عالم سے کسی موقع پر وکالت کے پیشہ کی بابت ایک لفظ نہیں سنا۔ اور لیجئے انگریزی قانون اتنی مدت سے نافذ ہے اور چوری کے جرائم کی تعداد برابر بڑھتی جاتی ہے جہاں چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے وہاں یہ حال ہے کہ مدینہ کے والی نے مجھے بتایا کہ تین چار سال میں کوئی ایک چھوٹا موٹا واقعہ سامنے آتا ہے۔ بہرحال یہ سمجھنا غلط ہے کہ جس کثرت سے روز چوری کے مقدمات ہوتے ہیں اسی کثرت سے روزانہ ہاتھ کاٹے جایا کریں گے۔ اگر ایک ہاتھ کٹنے سے کئی برس تک معاشرہ کو امن وسکون مل جائے تو کونسا مہنگا سودا ہے؟ اس میں کونسی وحشت اور بربریت ہے۔ نیویارک کی سڑکوں پر مغرب کے بعد نکلنا خطرناک ہو تو تہذیب وتمدن کا عروج ہے اور مکہ میں دوکان کھلی چھوڑ کر آپ اطمینان سے گھنٹہ دو گھنٹہ کے لیے کہیں چلے جائیں تو رجعت پسندی اور بربریت ہے!!! "محتسب" کا لفظ کچھ ایسا عزل کے نذر ہوا ہے کہ ہم اپنے نظام احتساب کو بھول گئے ہیں۔ یہ نظام سارے عالم اسلام میں رائج تھا۔ البتہ اندلس کی تاریخوں میں اس کی تفصیلات ملتی ہیں۔ ناپ تول میں کمی، ملاوٹ، نفع خوری اور گلی کوچوں میں بداخلاقیوں کا یہ واحد موثر علاج ہے۔ اگر ایک قاضی مجسٹریٹ کے درجہ کی محترم اور باوقار ہستی پیادہ بازاروں میں گشت کرے، خود جانچ پڑتال کرے۔ عوام کی شکایات سنے اور وہیں کے وہیں موقع پر قرار واقعی سزا دے تو ان سماجی برائیوں کے خاتمہ میں کتنی دیر لگتی ہے۔ آپ نے یہ غور نہیں کیا کہ اگر محتسب اپنی کچہری میں بیٹھا رہتا اور اور مقدمات کی پیشی کا انتظار کرتا، تاریخ پر تاریخ بڑھتی وکیلوں کو جرح وبحث کا موقع ملتا تو پھر میخواروں کو محتسب کا اتنا ڈر کیوں ہوتا؟ اور سنیئے مجھے ابھی تک نہیں معلوم کہ میری طالب علمی کے زمانے میں طالب علموں کے قانونی حقوق کیا تھے۔ البتہ اتنا یاد ہے کہ کبھی میرے یا میرے والد کے ذہن میں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ استاد کے خلاف مقدمہ بھی دائر کیا جا سکتا ہے۔ آج استاد اگر طالب علم کو سزا دے تو FIR تیار کرتا ہے۔ ثبوت کا ریکارڈ بناتا ہے اور یہ یاد رکھتا ہے کہ اگر طالب علم کا باپ پیسہ والا ہو تو وہ کوئی بڑا وکیل لے کر عدالت پہنچے گا اور بڑا وکیل وہ ہے کہ چاہے معاشرہ کو کچھ نقصان پہنچے، اس کا موکل کامیاب ہو جائے۔ ویسے عدالت کے باہر سماجی اصلاح پر وہ بڑی اچھی تقریر بھی کر سکتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ استاد ٹک ٹک دیکھتے ہیں اور کچھ نہیں بولتے جب اس صورت حال سے استاد کے علاوہ کسی دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ استادوں نے اپنا وقار اور اثر کھو دیا ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں اس بات کی کہ انگریزی قانون جرائم کے انسداد میں ناکام ہے۔ اس کے تحت سماجی برائیوں کا یہ حال ہے کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اس کے برخلاف اسلامی قانون کا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں اور جس حد تک تجربہ کیا گیا ہے، کامیاب رہا ہے۔

اسلامی قانون کوئی جامد چیز نہیں ہے۔ سوسائٹی کی ضروریات کے ساتھ اس میں بڑھنے کی فطری صلاحیت رکھی گئی ہے۔ ترکی مجلہ کے بعد سے اس کی بڑھت کی ہوئی ہے۔ آج ضرورت ہے کہ اس کی دوبارہ تدوین کی جائے اور اسے شریعت کے بتائے ہوئے اجتہاد کے طریقوں سے موجودہ زمانہ کی ضروریات کا کفیل بنایا جائے لیکن یہ محض بہانہ سازی ہے کہ پہلے کوئی نیک بندہ شرعی قوانین کا مجموعہ تیار کرے پھر اس پر غور کیا جائے، درخت اسی وقت بڑھتا ہے جب اس کی جڑیں زمین میں ہوتی ہیں۔ اسی طرح قانون اسی وقت بڑھتا ہے۔ جب اس پر عمل ہو۔ پھر بھی علما اس فرض سے غافل نہیں، مالی وسائل کی کمی بے شک ان کی راہ میں حائل رہتی ہے۔ ایک منصوبہ حکومت کویت کی اعانت سے شروع کیا گیا تھا اور دوسرے منصوبہ پر دمشق میں کام ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ الزرقاء سے الجزائر کے اجتماع میں یہ معلوم کرکے بڑا ہی قلق ہوا کہ مالی امداد بند ہو جانے کے سبب یہ دونوں منصوبے ختم ہو گئے۔ ابھی چند دن ہوئے اخبار سے معلوم ہوا کہ سعودی عرب کی حکومت نیا منصوبہ بنا رہی ہے۔ خدا کرے یہ منصوبہ کامیاب ہو۔ (بشکریہ جنگ کراچی)

عزتِ اسلام اور عالمِ اسلام کے عہدِ زوال میں عظمتِ رفتہ کو واپس لانے کی ایک عاجزانہ آرزو کا مظہر

جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ لائلپور

اگر آپ اپنے نونہال کے لیے:-

★ دینی تعلیم ★ عہدِ حاضر کے تقاضوں کی تکمیل اور

★ ذاتی سیرت و کردار کی پاکیزگی

کو ناگزیر خیال فرماتے ہوں تو اس مرکزِ تعلیم و تربیت کے بارے میں معلومات حاصل فرمائیں۔

حسبِ ارشاد لٹریچر ارسالِ خدمت ہوگا۔

عبدالرحیم اشرف

جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ سرگودہا روڈ لائلپور پوسٹ بکس ۴۷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ